ایک مرتبہ جب پروفیسر ساعتی سوڈان میں اسلامک اکنامکس پر چھ لیکچر دے کر واپس لوٹے تو اُنہوں نے محسوس کیا کہ وہ ایک دم سے ایک باعزت اور قابل توجہ شخصیت بن گئے ہیں اور اُن کی نگرانی ہونے لگی ہے۔ کالج میں، کلاس کے اندر، گھر سے باہر، کھلے میدان میں جہاں کہیں وہ جاتے، ایک سایہ سا اپنے قرب و جوار میں محسوس کرتے۔ وہ تو اس سائے کو اپنی عزت افزائی پر محمول کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ بڑے آدمیوں کے سائے بھی لمبے مستقیم کا قطر ہوتے ہیں لیکن اصل میں یہ بات نہیں تھی.... وہ لمبا سایہ اُن کا اپنا نہیں تھا بلکہ لمبے ہاتھوں والے کا سایہ تھا۔

اُنہی دنوں ہمارے بادشاہ کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے اور اپنے غیر ملکی سفیروں کے لئے روپے کی شدید ضرورت آ پڑی تھی۔ وہ لگان لگا کر اور ڈنڈ بھروا کر اپنی رعایا سے اتنی رقم نکلوا سکتا تھا لیکن اس عمل سے اس کی رعایا کے ختم ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اور چونکہ اس کی آمدنی کا واحد ذریعہ اس کے عوام تھے اس لئے بادشاہ نے اب کی بار قرض لینے کی ٹھانی۔ اس نے ادھر اُدھر قاصد دوڑائے اور قرض دینے والوں نے اس کی طرف گماشتے بھگائے اور جب یہ دونوں بھاگ بھاگ کر ہونکنے لگے تو اُنہوں نے مشترکہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ بادشاہ سلامت کو ورلڈ بنک سے قرض لے دیتے ہیں۔ ایک تو یہ قرضہ بادشاہ سلامت کی ضرورت سے دوگنا ہو گا کہ ورلڈ بنک ایک خاص تعداد سے کم قرض جاری کرنے سے معذور ہے، دوسرے اس قرض پر سود بہت کم ہو گا جو ہر سال اضافے کے لئے بادشاہ سلامت سے منظوری لے کر اصل زر میں داخل کیا جاتا رہے گا۔

بادشاہ سلامت کو یہ تجویز بہت پسند آئی اور اُنہوں نے قرضہ جاری کرنے کی درخواست دے دی۔ تین دن کے اندر اُن کی درخواست منظور ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی قرضہ جاری کرنے کے احکامات صادر کر دیئے گئے۔ لیکن —!

قرضے کی رقم پہنچنے کے بجائے بادشاہ سلامت کے پاس ورلڈ بنک کے تین سفارتی نمائندے پہنچ گئے جن کا تعلق امریکا، انگلستان اور بلجیم سے تھا۔ اُنہوں نے بڑے ادب کے ساتھ جھک کر بادشاہ سلامت کو سلام کیا اور اپنے کاغذات اُن کی خدمت میں پیش کر دیئے۔

ایک مرتبہ جب پروفیسر ساعتی سوڈان میں اسلامک اکنامکس پر چھ لیکچر دے کر واپس لوٹے تو اُنہوں نے محسوس کیا کہ وہ ایک دم سے ایک باعزت اور قابل توجہ شخصیت بن گئے ہیں اور اُن کی نگرانی ہونے لگی ہے۔ کالج میں، کلاس کے اندر، گھر سے باہر، کھلے میدان میں جہاں کہیں وہ جاتے، ایک سایہ سا اپنے قرب و جوار میں محسوس کرتے۔ وہ تو اس سائے کو اپنی عزت افزائی پر محمول کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ بڑے آدمیوں کے سائے بھی لمبے مستقیم کا قطر ہوتے ہیں لیکن اصل میں یہ بات نہیں تھی.... وہ لمبا سایہ اُن کا اپنا نہیں تھا بلکہ لمبے ہاتھوں والے کا سایہ تھا۔

اُنہی دنوں ہمارے بادشاہ کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے اور اپنے غیر ملکی سفیروں کے لئے روپے کی شدید ضرورت آ پڑی تھی۔ وہ لگان لگا کر اور ڈنڈ بھروا کر اپنی رعایا سے اتنی رقم نکلوا سکتا تھا لیکن اس عمل سے اس کی رعایا کے ختم ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اور چونکہ اس کی آمدنی کا واحد ذریعہ اس کے عوام تھے اس لئے بادشاہ نے اب کی بار قرض لینے کی ٹھانی۔ اس نے ادھر اُدھر قاصد دوڑائے اور قرض دینے والوں نے اس کی طرف گماشتے بھگائے اور جب یہ دونوں بھاگ بھاگ کر ہونکنے لگے تو اُنہوں نے مشترکہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ بادشاہ سلامت کو ورلڈ بنک سے قرض لے دیتے ہیں۔ ایک تو یہ قرضہ بادشاہ سلامت کی ضرورت سے دوگنا ہو گا کہ ورلڈ بنک ایک خاص تعداد سے کم قرض جاری کرنے سے معذور ہے، دوسرے اس قرض پر سود بہت کم ہو گا جو ہر سال اضافے کے لئے بادشاہ سلامت سے منظوری لے کر اصل زر میں داخل کیا جاتا رہے گا۔

بادشاہ سلامت کو یہ تجویز بہت پسند آئی اور اُنہوں نے قرضہ جاری کرنے کی درخواست دے دی۔ تین دن کے اندر اُن کی درخواست منظور ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی قرضہ جاری کرنے کے احکامات صادر کر دیئے گئے۔ لیکن —!

قرضے کی رقم پہنچنے کے بجائے بادشاہ سلامت کے پاس ورلڈ بنک کے تین سفارتی نمائندے پہنچ گئے جن کا تعلق امریکا، انگلستان اور بلجیم سے تھا۔ اُنہوں نے بڑے ادب کے ساتھ جھک کر بادشاہ سلامت کو سلام کیا اور اپنے کاغذات اُن کی خدمت میں پیش کر دیئے۔

ایک مرتبہ جب پروفیسر ساعتی سوڈان میں اسلامک اکنامکس پر چھ لیکچر دے کر واپس لوٹے تو اُنہوں نے محسوس کیا کہ وہ ایک دم سے ایک باعزت اور قابل توجہ شخصیت بن گئے ہیں اور اُن کی نگرانی ہونے لگی ہے۔ کالج میں، کلاس کے اندر، گھر سے باہر، کھلے میدان میں جہاں کہیں وہ جاتے، ایک سایہ سا اپنے قرب و جوار میں محسوس کرتے۔ وہ تو اس سائے کو اپنی عزت افزائی پر محمول کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ بڑے آدمیوں کے سائے بھی لمبے مستقیم کا قطر ہوتے ہیں لیکن اصل میں یہ بات نہیں تھی.... وہ لمبا سایہ اُن کا اپنا نہیں تھا بلکہ لمبے ہاتھوں والے کا سایہ تھا۔

اُنہی دنوں ہمارے بادشاہ کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے اور اپنے غیر ملکی سفیروں کے لئے روپے کی شدید ضرورت آ پڑی تھی۔ وہ لگان لگا کر اور ڈنڈ بھروا کر اپنی رعایا سے اتنی رقم نکلوا سکتا تھا لیکن اس عمل سے اس کی رعایا کے ختم ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اور چونکہ اس کی آمدنی کا واحد ذریعہ اس کے عوام تھے اس لئے بادشاہ نے اب کی بار قرض لینے کی ٹھانی۔ اس نے ادھر اُدھر قاصد دوڑائے اور قرض دینے والوں نے اس کی طرف گماشتے بھگائے اور جب یہ دونوں بھاگ بھاگ کر ہونکنے لگے تو اُنہوں نے مشترکہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ بادشاہ سلامت کو ورلڈ بنک سے قرض لے دیتے ہیں۔ ایک تو یہ قرضہ بادشاہ سلامت کی ضرورت سے دوگنا ہو گا کہ ورلڈ بنک ایک خاص تعداد سے کم قرض جاری کرنے سے معذور ہے، دوسرے اس قرض پر سود بہت کم ہو گا جو ہر سال اضافے کے لئے بادشاہ سلامت سے منظوری لے کر اصل زر میں داخل کیا جاتا رہے گا۔

بادشاہ سلامت کو یہ تجویز بہت پسند آئی اور اُنہوں نے قرضہ جاری کرنے کی درخواست دے دی۔ تین دن کے اندر اُن کی درخواست منظور ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی قرضہ جاری کرنے کے احکامات صادر کر دیئے گئے۔ لیکن —!

قرضے کی رقم پہنچنے کے بجائے بادشاہ سلامت کے پاس ورلڈ بنک کے تین سفارتی نمائندے پہنچ گئے جن کا تعلق امریکا، انگلستان اور بلجیم سے تھا۔ اُنہوں نے بڑے ادب کے ساتھ جھک کر بادشاہ سلامت کو سلام کیا اور اپنے کاغذات اُن کی خدمت میں پیش کر دیئے۔

ایک مرتبہ جب پروفیسر ساعتی سوڈان میں اسلامک اکنامکس پر چھ لیکچر دے کر واپس لوٹے تو اُنہوں نے محسوس کیا کہ وہ ایک دم سے ایک باعزت اور قابل توجہ شخصیت بن گئے ہیں اور اُن کی نگرانی ہونے لگی ہے۔ کالج میں، کلاس کے اندر، گھر سے باہر، کھلے میدان میں جہاں کہیں وہ جاتے، ایک سایہ سا اپنے قرب و جوار میں محسوس کرتے۔ وہ تو اس سائے کو اپنی عزت افزائی پر محمول کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ بڑے آدمیوں کے سائے بھی لمبے مستقیم کا قطر ہوتے ہیں لیکن اصل میں یہ بات نہیں تھی.... وہ لمبا سایہ اُن کا اپنا نہیں تھا بلکہ لمبے ہاتھوں والے کا سایہ تھا۔

اُنہی دنوں ہمارے بادشاہ کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے اور اپنے غیر ملکی سفیروں کے لئے روپے کی شدید ضرورت آ پڑی تھی۔ وہ لگان لگا کر اور ڈنڈ بھروا کر اپنی رعایا سے اتنی رقم نکلوا سکتا تھا لیکن اس عمل سے اس کی رعایا کے ختم ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اور چونکہ اس کی آمدنی کا واحد ذریعہ اس کے عوام تھے اس لئے بادشاہ نے اب کی بار قرض لینے کی ٹھانی۔ اس نے ادھر اُدھر قاصد دوڑائے اور قرض دینے والوں نے اس کی طرف گماشتے بھگائے اور جب یہ دونوں بھاگ بھاگ کر ہونکنے لگے تو اُنہوں نے مشترکہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ بادشاہ سلامت کو ورلڈ بنک سے قرض لے دیتے ہیں۔ ایک تو یہ قرضہ بادشاہ سلامت کی ضرورت سے دوگنا ہو گا کہ ورلڈ بنک ایک خاص تعداد سے کم قرض جاری کرنے سے معذور ہے، دوسرے اس قرض پر سود بہت کم ہو گا جو ہر سال اضافے کے لئے بادشاہ سلامت سے منظوری لے کر اصل زر میں داخل کیا جاتا رہے گا۔

بادشاہ سلامت کو یہ تجویز بہت پسند آئی اور اُنہوں نے قرضہ جاری کرنے کی درخواست دے دی۔ تین دن کے اندر اُن کی درخواست منظور ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی قرضہ جاری کرنے کے احکامات صادر کر دیئے گئے۔ لیکن —!

قرضے کی رقم پہنچنے کے بجائے بادشاہ سلامت کے پاس ورلڈ بنک کے تین سفارتی نمائندے پہنچ گئے جن کا تعلق امریکا، انگلستان اور بلجیم سے تھا۔ اُنہوں نے بڑے ادب کے ساتھ جھک کر بادشاہ سلامت کو سلام کیا اور اپنے کاغذات اُن کی خدمت میں پیش کر دیئے۔

وزیر خزانہ نے بادشاہ کے حکم سے اُس محضرنامے کو بھرے دربار میں سنانا شروع کر دیا۔ لکھا تھا کہ ورلڈ بنک بادشاہ سلامت کی ضرورت اور خواہش کے مطابق اُن کو قرضے کی رقم بھجوا رہا ہے اور کرنسی کا انتخاب اُنہی پر چھوڑتا ہے کہ جس ملک کی کرنسی میں چاہیں رقم لے لیں اور جس لمحہ چاہیں یہ رقم اپنے تصرف میں لے آئیں لیکن اس کے لئے اُنہیں ایک اہم شرط کی تکمیل کرنی پڑے گی اور وہ یہ ہے کہ اس قرضے کی پوری رقم، اصل مع سود، ادا ہونے تک پروفیسر ساعتی کو قید کر کے کڑے پہرے میں رکھا جائے گا اور کسی کو ان سے ملنے نہیں دیا جائے گا۔ اس شرط پر وزیر خزانہ رُک گیا تو بادشاہ سلامت نے حیرت سے پوچھا "یہ پروفیسر ساعتی کون ہے؟"

وزیرخزانہ نے سر جھکا کر کہا "ایک ٹیچر ہے سر، بہاول نگر کالج میں اکنامکس پڑھاتا ہے اور اٹھارہ سال کی سروس کے بعد ابھی تک لیکچرر ہی ہے۔"

"کیوں، لیکچرر کیوں ہے؟" بادشاہ سلامت نے پوچھا۔

وزیرخزانہ نے مسکرا کر اور کھسیانی ہنسی ہنس کر کہا "وہ ذرا مخبوط الحواس سا شخص ہے عالم پناہ اور اس کے ذہن میں ایک ٹیڑھ پیدا ہو گئی ہے۔"

"ٹیڑھ پیدا ہو گئی ہے!" بادشاہ سلامت نے حیرانی سے پوچھا۔

"جی سر!" فنانس منسٹر نے سر جھکا کر کہا "وہ چھ چھیک چھتیس کے بجائے چھ چھیک بتیس بتاتا ہے اور چھ ضرب چھ کا حاصل ضرب بتیس ہی سمجھتا ہے۔"

"اور وہ اب تک کالج میں پڑھا رہا ہے۔" بادشاہ نے غصے سے پوچھا۔

"جی سر" وزیرخزانہ نے ذرا سا رُک کر کہا "ہم نے وزیر تعلیم سے بات کی تھی اور یہ سقم اُن کے نوٹس میں لائے تھے لیکن اُنہوں نے کمیٹی رپورٹ کے بعد اور پھر خود انٹرویو کر کے یہ فیصلہ دیا کہ پروفیسر مذکور کے ذہن میں سوائے اس معمولی سی اٹکن کے اور کوئی خرابی نہیں — وہ بہت پڑھے لکھے اور عالمی شہرت کے ماہر اقتصادیات ہیں، اس لئے اُنہیں رہنے دیا جائے۔"

"یہ بہت بڑی خرابی ہے یور میجسٹی" بنک کے بلجیئن نمائندے نے کہا" یہ معمولی اٹکن نہیں ہے جیسا کہ وزیر خزانہ سمجھ رہے ہیں۔ یہ ایک سنجیدہ اور خطرناک عارضہ ہے۔"

"جو آگے بڑھ کر ایک وبا کی صورت اختیار کر سکتا ہے۔" بنک کے انگلستانی نمائندے نے بات کاٹ کر کہا۔

وزیر خزانہ نے وضاحت کرنے کے لئے ہاتھ اُوپر اُٹھایا تو بنک کے بلجیئن نمائندے نے مسکرا کر کہا "پروفیسر صاحب کی یہ خرابی جسے وزیر خزانہ صاحب معمولی الکن کہہ رہے ہیں، ہمارے آپ کے تعلقات کی سب سے بڑی اڑچن بن سکتی ہے۔"

"اڑچن بن سکتی ہے!" بادشاہ نے نگاہیں اُوپر اُٹھا کر اُونچی آواز میں دہرایا۔

"نہیں حضور" وزیرخزانہ نے ڈرتے ہوئے کہا "یہ اُن کا وہم ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں۔"

بنک کے امریکی نمائندے نے نفی میں سر ہلایا گویا کہہ رہا ہو کہ وزیرخزانہ صاحب کی یہ بات کم علمی پر مبنی ہے۔

انگلستان کے نمائندے نے کہا "یور رائل میجسٹی کو اچھی طرح سے معلوم ہے کہ عام چلن سوچ سے الگ ہو کر سوچنے والا آدمی مملکت کے لئے اور حکومت کے لئے کس قدر خطرناک ہوا کرتا ہے۔ اس کی مختلف قسم کی سوچ کی ذرا سی چنگاری ساری بادشاہیت کو جلا کر بھسم کر سکتی ہے۔ اس لئے ہم پروفیسر ساعتی کے اس معمولی سے فتور ذہنی سے کافی متفکر ہیں۔"

پہلے تو اکیلے بادشاہ سلامت ہی اس احمقانہ دلیل پر حیرت زدہ بیٹھے تھے، اب اُن کے ساتھ وزیرخزانہ بھی شامل ہو گئے۔ اُنہوں نے حیران ہو کر کہا "میں عالمی شہرت رکھنے والے اتنے بڑے بنک کے ایسے ذہین بنکاروں کی دلیل سن کر سخت متحیر ہوا ہوں۔ میرے نزدیک یہ خوف بالکل بے بنیاد ہے اور ایسا خیال بہت ہی ابتدائی اور غیر مہذب دور سے تعلق رکھتا ہے۔"

وزیرخزانہ کی یہ بات سن کر بنک کے امریکن نمائندے نے کہا "وزیرخزانہ صاحب! ہماری سوچ اور ہمارا تصور ازمنہ قدیم کے دور سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ آپ کا اندازہ اس غیر مہذب عہد کی عکاسی کر رہا ہے جب لوگ بلا سوچے سمجھے ڈھور ڈنگروں کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ پروفیسر ساعتی کا طے شدہ قاعدے سے انحراف خطے کی ایک گھتی ہے۔ یہ صرف اُن کی ذہنی کج روی نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے

پورا ایک سسٹم کام کر رہا ہے جس سے آپ سب بے خبر ہیں۔"

وزیرِ خزانہ نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ اپنے علم کا اظہار کرتے ہوئے کہا "آپ زیادہ سے زیادہ پروفیسر صاحب کو ایک اوٹسٹ قرار دے سکتے ہیں، اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہماری زبان میں ایسے لوگوں کو "سائیں" کہتے ہیں۔"

بنک کے امریکی نمائندے نے کہا "یورَ میجسٹی ! آج تک دُنیا میں جتنے بھی انقلاب آئے ہیں اور جس قدر اتھل پتھل ہوئی ہے، وہ سب ایسے ہی لوگوں کی بدولت ہوئی ہے — بظاہر پروفیسر صاحب کا انحراف کہ چھ چھکے بتیس ہوتے ہیں، ایک معمولی سی ذہنی گمراہی نظر آتی ہے مگر یہ کینسر کے ایک خلئے کی طرح سارے بدن میں پھیل سکتا ہے اور اس کی کئی شاخیں پھوٹ کر دور دور تک پھیل سکتی ہیں۔ ہم ایسی کج رویوں سے اور اس قسم کے ذہنی فتور سے بہت ڈرتے ہیں کہ ہمارے کندھوں پر امن عالم برقرار رکھنے کی ذمہ داری ہے۔ ہم نے انسانیت کے سمندر میں سمود سیلنگ کا بیڑا اُٹھایا ہوا ہے اور ہم ہر کام میں طے شدہ اقدار کے حامل ہیں۔"

"لیکن ان ساری باتوں کا پروفیسر ساعتی کی ذہنی کج روی سے کیا تعلق؟" وزیرِ خزانہ نے قدرے غصے سے پوچھا۔

"گہرا تعلق بلکہ بہت ہی گہرا تعلق" بنک کے امریکی نمائندے نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا "ہمارے عظیم الشان اور پروقار عالمی ادارے کی کارکردگی کو ایسے لوگوں سے شدید نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

"وہ کیسے؟" بادشاہ سلامت نے بڑے سبھاؤ سے پوچھا "وہ کس طرح؟"

"وہ ایسے سر" بلجیئن نمائندے نے گلا صاف کر کے کہا "کہ پروفیسر ساعتی جیسا شخص جو دُنیا کے طے شدہ قاعدے سے ایک مقام پر انحراف کرتا ہے، وہ کسی اور طے شدہ اور مستقل قاعدے سے اس سے بھی بڑھ کر انحراف کر سکتا ہے۔"

"مثلاً؟" وزیرِ خزانہ نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔ "کس طرح؟"

"وہ اس طرح یورَ میجسٹی!" بنک کے امریکی نمائندے نے کہا "کہ طے شدہ اور معروف عام قاعدے کا منحرف ایک روز یہ اعلان بھی کر سکتا ہے کہ بلا سود بھی بنکاری ہو سکتی ہے۔ اور بلا سود بھی تجارت کا چلنا اسی طرح سے قائم رہ سکتا ہے، یا صنعت و

حرفت کا تانا بانا سودی کاروبار کے علاوہ بھی اس دُنیا میں چل سکتا ہے اور سود کے بغیر بھی یہ دُنیا قائم رہ سکتی ہے بلکہ بہتر طور پر قائم رہ سکتی ہے.... خوشیوں اور مسکراہٹوں کی لپیٹ میں، آسانیوں اور کامرانیوں کے گہوارے میں!"

بادشاہ سوچ میں پڑ گیا تو وزیرِ خزانہ نے کہا "جنٹلمن! پھر تو یہ ایک اچھی بات ہو گی کہ —" لیکن اس کی بات کو انگلستانی نمائندے کی گرج دار اور گستاخ "No" نے بیچ ہی میں کاٹ دیا۔ وہ ایک تھکے ہوئے خوبصورت کتے کی طرح ہانپتے ہوئے بولا "ایسی خوف ناک اور منحوس بات مثال کے طور پر بھی نہیں کرنی چاہیے۔ اس سے سارے نظام کائنات کے درہم برہم ہونے کا اندیشہ ہے۔"

امریکی نے معذرت کرتے ہوئے کہا "میرا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ..... کہ گاڈ فاربڈ..... کبھی ایسا ہو گا یا ہو سکے گا، میں نے تو صرف سمجھانے کے لئے ہز میجسٹی کو ایک مثال دی تھی۔"

بادشاہ نے سنجیدہ چہرہ بنا کر اور اس سارے مکالمے سے متاثر ہو کر وزیرِ خزانہ سے کہا "میں سمجھتا ہوں کہ بنک کے ان فاضل نمائندوں کے دلائل بڑے وزنی ہیں اور ہمیں اُنہیں ذہن میں رکھنا چاہیے۔"

"خاص طور پر ایسے وقت میں جب آپ کو روپے کی اشد ضرورت ہو" بلجیئن نمائندے نے کہا "اور ورلڈ بنک آپ کو رعائتی نرخوں پر قرض فراہم کر رہا ہو۔"

انگلستانی نمائندے نے کہا "پھر کیا خیال ہے؟ ہم تو آپ کے لئے پے منٹ لے کر آئے تھے اور ہر طرح کی کرنسی میں لے کر آئے تھے۔"

"آپ چاہے ڈالر لے لیں" امریکی نمائندے نے کہا "چاہے پاؤنڈ لے لیں، چاہے ین یا ڈوش مارک لے لیں۔ ہمارے پاس ہر طرح کا سودا موجود ہے۔"

بلجیئن نمائندے نے کہا "بہتر تو یہی ہے یور میجسٹی کہ آپ ملا کر ساری کرنسیاں لے لیں۔ آپ کے کام آئیں گی۔ آپ کو باہر اندر آنا جانا پڑتا ہے۔"

چونکہ اس وقت ایک مطلق العنان بادشاہ یہاں حکمران تھا اور کوئی پوچھنے والا نہیں تھا اس لئے بادشاہ نے حکم دیا کہ "ہمارے مہمانانِ گرامی غیر ملکی نمائندے جو قرضے کی بوجھل رقم اُٹھا کر یہاں تشریف لائے ہیں، اگر مناسب سمجھیں تو ہماری رعایا

کے ایک فرد، چالو سوچ کے منحرف پروفیسر ساعتی کو خود گرفتار کر کے لے جائیں اور اپنے ملک کے کسی قید خانے میں قید کر دیں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ اور اگر ہم پر اعتبار کریں تو اُسے بے شک ہماری سلطنت کے کسی بھی پسندیدہ قیدخانے میں ڈال کر اپنا تالا لگا دیں اور چابی اپنے ساتھ لے جائیں۔"

بنک کے نمائندوں نے سر جھکا کر اور یک زبان ہو کے کہا "یور میجسٹی! آپ بے شک اپنا تالا چابی لگائیں، ہمیں آپ پر پورا اعتماد ہے۔ ہم نے چابی ساتھ لے جا کر کیا کرنی ہے!"

سعید جونیئر

سعید احمد تھا تو ایک پاک باز اور نیک نہاد گھرانے کا فرزند لیکن فورتھ ایئر کے شروع میں اس پر ترقی کرنے کا ایسا بھوت سوار ہوا کہ اُس نے اپنے گھرانے کی ساری روایات کو خاکی کاغذ میں پیک کر کے اُن پر ربڑ کے چھلے چڑھا دیئے اور پھر اس پیکج کو چھوٹی کوٹھڑی کے کاٹھ کباڑ میں پھٹوں کے نیچے ڈال کر اُوپر پرانے گدے، پھٹی ہوئی بوریاں اور گودڑ پھونس کے انبار ڈال دیئے۔

سعید احمد کے والد مولوی نور محمد، سوڑی گلی کی مسجد کے پیش امام تھے اور بڑی دھیمی آواز میں گفتگو کرتے تھے۔ اُن کی مدھم اور نرم نازک گفتگو سن کر کوئی یقین ہی نہیں کرتا تھا کہ وہ مولوی ہیں اور چھوٹی مسجد میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ سب اُن کو صوفی صاحب کہہ کر بلاتے تھے اور وہ صوفی ہی سمجھتے تھے۔

صوفی صاحب عمر بھر اپنی سائیکل میں نئی بریکیں نہ ڈلوا سکے اور اگلے پہیے پر زور کا پاؤں دبا کر اُسے روکتے رہے۔ اُن کی سائیکل میں ایک طرف تو پیڈل تھا لیکن دوسری طرف صرف کلی تھی جو چپل کی رگڑ سے میخ کی طرح پتلی اور میخ ہی کی طرح نوکیلی ہو گئی تھی۔

جب سعید احمد فرسٹ ایئر میں داخل ہوا تو صوفی صاحب اپنے سہ سالہ اینجائنا کی بدولت صحن مسجد ہی میں فوت ہو گئے اور وہیں نمازیوں نے اُنہیں غسل دے کر اور کفنا کر گھر بھیج دیا۔ اُنہی دنوں اتفاق سے اُن کی بیٹی اپنے پہلے بچے کو جنم دینے گھر آئی ہوئی تھی اور دائی جنائی کے لئے پانچ سو روپے ساتھ لے کر آئی تھی کہ ابا جی پر بوجھ نہ پڑے۔ لیکن ابا جی نے اپنے جنازے کا سارا بوجھ اس غریب پر ڈال دیا اور اس کا شوہر

دسویں کے بعد ہی اُسے اپنے ساتھ واپس شکرگڑھ لے گیا کہ بیوہ ساس پر زچگی کا خرچہ نہ پڑے۔

محمد الیاس شکرگڑھ کا ایک آسودہ حال دفتری تھا جس کے پاس سکول کے بچوں کی کتابوں کے علاوہ تحصیل کے کھلے کاغذات کی جلد بندی کا کام بھی آجاتا تھا۔ وہ ہر مہینے اپنی بچت سے دس روپے کا ایک انعامی بانڈ خرید کر اپنی دوکان کی واحد الماری کے سب سے نچلے خانے کے اُس بوسیدہ رجسٹر میں رکھ لیتا تھا جس پر کسی کو شک بھی نہ گزر سکتا تھا کہ اس میں انعامی بانڈ بھی ہو سکتے ہیں۔

صوفی صاحب کی بیوہ نے صبح محلے کی لڑکیوں کو قرآن پڑھا کر اور دن کے وقت دو گھروں کی روٹی ہانڈی کی نوکری کر کے سعید کو بی اے کرایا۔ اور جب وہ بی اے کر چکا تو اس نے چنگی محرر کے طور پر کمیٹی کی نوکری کر لی اور بڑی گریہ پائی کے ساتھ آسودگی کی طرف بڑھنے لگا۔

سعید نے اپنے باپ کی سائیکل، ماں کی بیوگی، بہنوئی کی جلدسازی اور اپنی سکی کے تسلسل میں ایک طویل سفر کیا تھا اس لئے اپنی لیٹ نکالنے کو اس نے ترقی کا محل اٹھانے کو تیز تر کر دیا اور رشوت کے حرام سے اپنی آسودگی کے حمام کو گرم کرنا شروع کر دیا — جلد ہی وہ ایک رشوت خور کارندے کی حیثیت سے سارے شہر میں مشہور ہو گیا۔

دوکاندار، آڑھتی، کارخانے دار اور امپورٹر وغیرہ بددیانت کارندے کا دل سے احترام کرتے ہیں اور اس کی بددیانتی کو تقویت عطا کرنے کے لئے ہر مشکل مقام میں اس کا ساتھ دیتے ہیں۔ سعید احمد کو بھی یہ سہارا مفتا مفت فراہم ہو گیا اور وہ شہر کے معزز لوگوں کی انجمن کا معمولی رکن بننے کے لئے نامزدگی کے دائرے میں آ گیا۔

جب اس کی ماں کو اپنے بیٹے کی اس خصوصیت کا علم ہوا تو اس نے اپنے برتن علیحدہ کر لئے اور رو رو کر ٹوٹی سائیکل والے صوفی صاحب کو یاد کرنے لگی جو اپنے پہلوٹی کے بچے کی آمد سے پہلے اپنی بیوی کو دو آنے کی کھڑیا مٹی بھی لا کر نہ دے سکے تھے!

سعید احمد بے ایمان، لالچی، ہوس ناک یا حرصی پٹھا نہیں تھا۔ وہ زمانے کے

برابر آنے کا اور اشرافیہ میں داخل ہونے کا خواہش مند تھا۔ وہ تو صرف اپنی کھوئی ہوئی عزت کو واپس لانے کے لئے بے چین تھا جو اس کے بزرگوں نے شرافت اور نیکی کے ہاتھوں سستے داموں فروخت کر دی تھی۔

اس نے شہر کی معزز آبادی میں ایک کنال کا پلاٹ خرید لیا۔ چھوٹی موٹر کا ایڈوانس جمع کرا دیا۔ اچھی خاصی رقم قومی بچت سکیم میں لگا دی اور ایک ایسے گھر آنا جانا شروع کر دیا جہاں دوسرے معزز لوگ بھی آتے جاتے تھے۔

سعید کی والدہ نے پہلے تو اس سے برتن علیحدہ کئے پھر وہ خود اس سے علیحدہ ہو کر درزیوں کی کٹڑی میں چلی گئی۔ پرانے زمانے کی عورتیں اپنے بچوں کے ساتھ ساتھ قدروں کی بھی پالن ہار تھیں۔ مردوں کی بے راہ روی میں اُن کے ساتھ شامل نہیں ہوتی تھیں بلکہ اُن کے خلاف اعلان جنگ کر دیتی تھیں۔ پرانے زمانے کی عورتیں بڑی آزاد، بے خوف اور خود مختار ہوتی تھیں۔ مردوں کے ساتھ نہ تو اُن کی برائیوں میں شرکت کرتیں نہ اُن کے کرتوتوں پر چشم پوشیوں کے سرپوش ڈال کر اُنہیں مستور کرتی تھیں۔ معاشرتی اقدار کے معاملے میں اُن کے گھروں کی قلعہ بندیاں بڑی مضبوط تھیں اور ساری بستیاں اُنہی کے دم قدم سے آباد تھیں۔ پرانی عورتیں اقدار کی محافظ تھیں اس لیے اپنے فیصلوں میں بڑی آزاد تھیں۔

سعید احمد کو اپنی ساری مالی چکا چوند کے باوصف ایک ایسے اوزار کی ضرورت تھی جو اس کے لاٹری کے ٹکٹوں، انعامی بانڈوں اور معموں کے حلوں کو پھلنے پھولنے میں اس کی مدد کر سکے اور اُن کی برآوری یقینی بنا سکے۔ اس نے کچھ جوگیوں، عاملوں، چلہ کشوں اور جوتشیوں سے رابطہ کر کے اپنی آرزوؤں کی تکمیل کا کام شروع کیا مگر جب اُسے اُن کی چرب زبانی، چیرہ دستی اور ٹھگ بازی سے اچھا خاصا نقصان پہنچ گیا تو اس نے اُن سے ہر طرح کا تعلق ختم کر کے خود اس راہ کی تلاش شروع کر دی۔

سعید کے والد کی کتابوں میں کچھ قاعدے اور پمفلٹ ایسے بھی تھے جن میں وظائف اوراد کا ذکر تھا۔ کچھ کتابیں تعویزوں کی تھیں اور کچھ رسالوں میں سلوک کی منازل طے کرنے کے طریق بتائے گئے تھے۔ ایک دو ڈائریاں تھیں جن میں صوفی صاحب نے اپنی قلبی واردات اور روحانی تجربات کا ذکر کیا تھا۔ ایک لمبا رجسٹر اُن کے

خوابوں کا تھا اور ایک بلند روحانی دوستوں کے ساتھ خط و کتابت کا تھا۔

اس نے اپنے ابا جی کی ڈائری سے اسمائے حسنیٰ کا ایک ایسا چھوٹا جوٹا نکالا جس کے اعداد اُس کے اپنے نام کے اعداد کے مطابق تھے۔ ہدایات کے مطابق اُس نے اُن اعداد کو دوگنا کر کے اُن اسمائے حسنیٰ کا ورد صبح و شام کے لیے اپنا لیا۔ پھر اس نے دیکھا کہ اگر کوئی شخص یا بدیع العجائب بالخیر یا بدیع کا ورد عشاء کی نماز کے بعد بارہ سو مرتبہ کرے تو اس کی مشکل سے مشکل خواہش چالیس دن کے اندر اندر پوری ہو جاتی ہے۔ اس ورد کی خاطر سعید نے عشاء کی نماز بھی شروع کر دی۔ پھر کسی کے بتانے پر اُس نے پاس انفاس کو بھی اپنا لیا۔

مولوی کا بیٹا ہمیشہ دھن کا پکا اور کام کا پورا ہوتا ہے۔ وہ جب بھی تجارت، سیاست یا صنعت کے میدان میں اُترتا ہے تو دُنیاداروں کے بیٹوں کو بہت پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ اس کے اندر اپنے بزرگوں کے عزم کی وہ مضبوط ڈوری تانت کی طرح بجتی ہے جو سخت سردیوں میں کورے گھڑے سے وضو کرنے کے بعد اور سخت گرمیوں میں پکے فرش پر نماز گزارنے سے پیدا ہوتی ہے۔

سعید نے اپنے پانچوں شرعی عیبوں کے ساتھ ساتھ اُوراد و اذکار کا سلسلہ پابندی کے ساتھ جاری رکھا مگر ایک بھی انعام نہ جیت سکا۔ آہستہ آہستہ وہ اپنے لاٹری ٹکٹوں اور انعامی بانڈوں کو تو بھول گیا لیکن ذکر کے اس آرے کو نہ روک سکا جو اس کے اندر ایک عجیب دُند کے ساتھ چل رہا تھا۔ اگر تو اس آرے کی کاٹ سعید کے نفس پر ہوتی پھر تو اُسے کافی فائدہ ہو جاتا۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ اکثر ایسا نہیں ہوتا۔ رُوح اپنی منازل طے کرتی رہتی ہے لیکن نفس اپنی جگہ پر اور موٹا ہو جاتا ہے..... جیسے بے حد مضبوط اور کسرتی بدن ایک کمزور سے جی دار کے سامنے خم کھا جاتا ہے۔ ورزش بدن کو مضبوط ضرور کر دیتی ہے لیکن دلیری اور پامردی کی گارنٹی نہیں دیتی۔ ورد، وظیفے، نماز، ریاض اور عبادات رُوح کو بالیدہ کر دیتے ہیں لیکن بدی، برائی، بدچلنی کو رندہ نہیں لگتا..... اس دشت سے کوئی لکڑہارا ہی نکال سکتا ہے۔ یہاں کوئی مرجینا ہی ہاتھ پکڑ کر علی بابا کے دروازے پر لے جا سکتی ہے۔ خود نہیں جایا جاتا!

سردیوں کی ایک تاریک اور طویل رات میں کندھوں پر نیا کمبل ڈالے جب

سعید نے اپنی تسبیح کا آخری پھیرا مکمل کیا تو اس کے کمرے میں ایک عجیب طرح کا چاندنا ہو گیا..... سلیٹی رنگ کا تیز چاندنا۔ جیسے سورج گرھن لگنے پر دن کی روشنی جست کے رنگ کی ہو جاتی ہے اور سائے عجیب صورت کے ہو جاتے ہیں عین اسی طرح اس کا بند کمرہ خاکستری روشنی سے بقعہ نور ہو گیا۔ سامنے کی میز پر کتابوں کے انبار سے ڈھو لگائے ایک خوش پوش شخص اپنی گھڑی کو چابی دے رہا تھا اور اس کا چابی دینے کا انداز سعید سے ملتا جلتا تھا۔

سعید نے اُس اجنبی شخص کو غور سے دیکھا تو اُسے وضع قطع، رنگ روپ اور شکل و صورت کے اعتبار سے بہت ہی حسین پایا۔ اس کی نشست میں شہزادوں کی پھبن اور صوفیوں کی دل ربائی تھی۔ ایک موٹی ڈکشنری سے ٹیک لگائے وہ بڑی پرسنتا کے ساتھ بیٹھا تھا اور سعید کو دیکھ رہا تھا۔ ڈیڑھ پونے دو فٹ کا انسان، ایک طرفہ وجود، چاند نگر کا باسی، انوکھا لاڈلہ حزن و ملال سے پاک، مزے سے میز پر بیٹھا تھا۔ اس کے کندھوں اور گردن اور ٹھوڑی پر مسکراہٹ کی لہریں نمایاں تھیں لیکن اُس کے ہونٹ سلے ہوئے تھے۔ سعید نے ایک ہلکی سی کپکپی کے ساتھ پوچھا "تم کون ہو؟" تو اس نے ذرا سے توقف کے بعد بڑے سبھاؤ سے جواب دیا "میں سعید جونیئر ہوں اور تمہارے ساتھ رہتا ہوں۔ تمہارے وجود کا ایک حصہ اور تمہارے سریر کا ایک انگ ہوں۔ بلکہ میں تم ہی ہوں!"

سعید نے کہا "لیکن میں نے اس سے پہلے تو تمہیں کبھی نہیں دیکھا۔"

جونیئر نے کہا "یہ تو ٹھیک ہے کہ اس سے پہلے کبھی ہماری ملاقات نہیں ہوئی لیکن....."

"لیکن" سعید نے بات کاٹ کر کہا "کیوں نہیں ہوئی ملاقات؟ — کیا میں دستیاب نہیں تھا یا تمہاری دسترس سے باہر تھا؟"

"دونوں ہی باتیں نہیں تھیں۔ اور اس میں آپ کا کوئی بھی قصور نہیں ہے۔ دراصل میں ہی موجود نہیں تھا۔ میں Incubator میں تھا اور خلاف توقع مجھے کئی مہینے اس میں گزارنے پڑے۔"

"کیوں؟" سعید نے حیرانی سے پوچھا "تم Incubator میں کیوں تھے؟"

"اس لئے کہ میں ابھی خام تھا' نورسیدہ تھا' پری میچوئر تھا۔"
"لیکن اس وقت تو تم مجھ سے بھی زیادہ صحت مند اور خوبصورت ہو۔ اس وقت تو تم ایک دیوتا سے دکھائی دیتے ہو' آکاش سے اُترے ہوئے..... بھگوان سروپ!"
"اب میں میچوئر ہو چکا ہوں" سعید جونیئر نے کہا "اور میرے اندر ایسی پختگی پیدا ہو گئی کہ مجھ سے خوف اور ملال ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دور ہو گیا ہے۔"
سعید نے اُس کی طرف حیرانی سے دیکھتے ہوئے کہا "اگر تم میں ہوں تو پھر میں تم کیوں نہیں؟ میں تمہارے جیسا کیوں نہیں؟ میرے اندر تو خوف اور ملال بدستور موجود ہے بلکہ اس میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے۔"
سعید جونیئر نے کہا "ذرا غور سے دیکھو......"
سعید نے کہا "دیکھ رہا ہوں اور بڑے غور سے دیکھ رہا ہوں..... بلکہ غور ہی سے دیکھ رہا ہوں —"
پھر وہ دونوں تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گئے اور ایک دوسرے کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگے۔ سعید نے کہا "اگر تم میں ہو تو پھر تم اس قدر خوبصورت کیوں ہو؟ میں تو اتنا خوبصورت نہیں ہوں۔" سعید جونیئر نے کہا "ویسے یہ ساری خوبصورتی تم ہی نے مجھے عطا کی ہے اور تم ہی اس کے خالق ہو۔ میں اپنے طور پر کچھ نہیں ہوں۔ میں تو بالکل پری میچوئر تھا۔ یہ سب تمہارا کرم ہے۔"
سعید نے کہا "مجھے محسوس تو ہوتا ہے..... بلکہ صاف دکھائی دیتا ہے کہ تم میرے نقشے ہو لیکن تم تو بہت ہی حسین ہو۔ تمہارا ناک نقشہ تو غلمانوں جیسا ہے.... کیا تم واقعی غلمان ہو؟"
سعید جونیئر نے ہنس کر کہا "نہیں، میں غلمان نہیں ہوں۔ میں صرف اُن کا دوست ہوں۔"
"کیا تم نے حضرت یوسف کو دیکھا ہے؟" سعید نے اچانک پوچھا تو سعید جونیئر نے سر جھکا کر کہا" اُن کی خدمت میں تو اکثر حاضری رہتی ہے۔ وہ بہت ہی شفیق، بے حد کریم اور نہایت ہی رحم دل بادشاہ ہیں۔ میں نے اُن کی ملازمت بھی کی ہے اور

حضرت زکریا کے یہاں بھی حاضری دی ہے۔"

"لیکن میں تو چنگی کے محکمے کا ایک معمولی سا کارندہ ہوں اور تمہارا نقشہ ہو بہو مجھ سے ملتا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے!"

"تم واقعی ٹھیک کہتے ہو۔ تم محکمہ چنگی کے ایک معمولی آفیسر ہو اور میرا نقشہ ہو بہو تم سے ملتا ہے۔" وہ بولا۔

"لیکن تم تو بہت ہی خوبصورت ہو اور میں نے تم جیسی خوبصورت مخلوق نہ تو آج تک کسی تصویر میں دیکھی نہ خواب میں۔"

"تم درخت ہو اور میں تمہارا بون سائی ہوں اور تم جانتے ہو کہ بون سائی درخت یعنی اصل درخت سے بہت خوبصورت ہوتا ہے۔ اس لئے میں بھی خوبصورت ہوں۔"

"لیکن ابھی تم کہہ رہے تھے کہ تم ہو بہو میرا نقشہ ہو۔"

"جب آفسٹ کی چھپائی کرتے ہیں ناں سعید" سعید جونیئر نے اُسے بزرگوں کی طرح مخاطب کرتے ہوئے کہا "تو ڈیوڑھی لکھ کر اُسے ریڈیوس کر کے اس کی پلیٹ بناتے ہیں۔"

"کیوں؟" سعید نے پوچھا۔

"کتابت کی یا تصویر کی یا نقشے کی نوک پلک سنوارنے کے لئے، تصویر کے خدوخال اُجاگر کرنے کے لئے، طباعت میں حسن پیدا کرنے کے لئے — اسی طرح سے میں ہوں!"

"تم میری ڈیوڑھی تخفیف ہو؟" سعید نے حیرانی سے پوچھا تو سعید جونیئر نے ہنس کر کہا "پاگل بندے! میں تمہاری تین سو پچیس گنا تخفیف ہوں۔ تمہارے نقشے کی تین سو پچیس مرتبہ تقلیل کر کے میری پلیٹ بنائی گئی ہے۔"

سعید نے کہا "پھر تو ٹھیک ہے، پھر تو تمہیں اس قدر خوبصورت ہونا ہی تھا۔ لیکن حیرانی کی بات ہے...." اس نے سوچتے ہوئے کہا "تم کو تین سو پچیس مرتبہ کیوں ریڈیوس کیا گیا؟"

"اس لئے کہ تم اپنے صبح و شام کا ورد تین سو پچیس مرتبہ روزانہ کیا کرتے

ہو۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہے؟" سعید نے تڑپ کر پوچھا۔

سعید جونیئر نے دور بیٹھے بیٹھے چھبی سی دے کر کہا "اوئے پاگل بندے میں ہی تو تمہارا ورد ہوں — پہلے تو ایک مدت تک میں ان کیوبیٹر میں رہا لیکن جونہی میں میچوئر ہو کر وجود میں آیا تو تمہیں بھی دیکھنے آ گیا۔"

سعید نے منہ ہی منہ میں "شکریہ" کہنے کی کوشش کی مگر اس سے بولا نہ گیا۔

سعید جونیئر نے کہا "میں اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ آیا تھا لیکن اُس وقت تم سو رہے تھے۔"

سعید نے کہا "تم کبھی عرش معلیٰ پر بھی گئے ہو؟"

"اور میرا ٹھکانہ کہاں ہو سکتا ہے بھلا!"

"پھر تو تم نے ذات بحت کی زیارت بھی کی ہو گی؟"

"وہ تو روز ہی ہوتی ہے۔ لیکن اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں۔ جب یہاں ذکر ہوتا ہے تو وہاں بھی ذکر ہوتا ہے۔ ہم اس "ہوتے" کے درمیان ہوتے رہتے ہیں۔ ہم پر بڑا فضل ہے اور اس فضل کی سپاٹ لائٹ ہر وقت ہمارے گرد رہتی ہے۔"

سعید نے منہ پھاڑ کر چنگی سپرنڈنٹ کے گندے سے لہجے میں کہا "بڑی سرکار سے رابطہ قائم کرنے کے لئے ورد وظیفے تو میں نے کئے اور ذکر اذکار کی تانت میں نے بجائی لیکن تعلق تم نے قائم کر لیا۔ دھنتر تم بن کر بیٹھ گئے! — میں نے اس لئے تو اتنی کڑی ریاضت نہیں کی تھی۔"

"تم نے یہ ساری ریاضت اور لمبی لمبی شب بیداری لاٹری کے ٹکٹوں کے لئے کی تھی" سعید جونیئر نے کہا "اور آنے والے سارے انعامی بانڈوں کے نمبر اُوپر کھلے پڑے ہیں۔"

"اُوپر کھلے پڑے ہیں!" سعید نے حسرت بھری آواز میں کہا اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

سعید جونیئر نے کہا "بالکل اس طرح جیسے یہاں دیواروں پر رنگ برنگ اشتہار لگے ہوئے ہیں اور سڑکوں پر بڑے بڑے ہورڈنگ ہوتے ہیں، پیڑیوں پر ٹین کے خیمہ

نمانوش سٹینڈ رکھے ہوتے ہیں۔"

"اور اُن پر انعامی بانڈوں کے نمبر لکھے ہوتے ہیں؟" سعید نے جلدی سے پوچھا "اگلی قرعہ اندازی کے صحیح نمبر؟ آنے والی قرعہ اندازی کے؟"

"بالکل" سعید جونیئر نے آہستگی سے کہا "آنے والے دس سالوں کی قرعہ اندازیوں کے صحیح نمبر — وہاں ہر معاملے میں دس دس کا حساب چلتا ہے..... مقدار میں، وزن میں، ناپ تول میں اور میعاد و استمرار میں۔"

"بڑے انعامی بانڈوں کے نمبر بھی؟" سعید نے جلدی سے پوچھا۔

"بالکل" سعید جونیئر نے اطمینان سے کہا "ایک ہزار، دس ہزار، پچیس ہزار.... سارے انعامی بانڈوں کے کھلنے والے صحیح نمبر..... جلی ہندسوں میں۔"

"اور صاف پڑے ہوتے ہیں، کھلم کھلا؟"

"بالکل صاف — کھلم کھلا"

"اور تم اُن کو نوٹ نہیں کرتے؟"

"ہمارا اُن سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا — ہم نے کبھی اُدھر توجہ بھی نہیں دی۔"

"وہاں تم جیسے اور بھی ورد وظیفے ہوتے ہیں؟"

"بے حساب، بے شمار، ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں — دور دور کے علاقوں، ملکوں، براعظموں کے..... پوری کائنات کے۔"

"تم ان سب سے ملتے ہو؟ اُن کو پہچانتے ہو؟ اُن کو جانتے ہو؟"

"سب کو تو خیر ناممکن ہے لیکن میں میانوالی، کھلنا، چاٹگام، تیونس اور جکارتا کے بہت سے مشکل اوراد وظائف سے واقف ہوں جو اپنی خوبصورتی کے اعتبار سے وہاں بہت ہی چاہے اور سراہے جاتے ہیں۔"

"کیا میں ایک مرتبہ بھی وہاں نہیں جا سکتا؟" سعید نے دُکھ بھرے لہجے میں پوچھا۔

"دیکھو سعید بھائی" سعید جونیئر نے محبت بھرے لہجے میں جواب دیا "اس کائنات کے جتنے بھی عبادت گزار اور شب زندہ دار انسان ہیں..... اگر وہ اپنے اخلاق،

افعال اور کردار میں تبدیلی نہ کریں تو وہ کسی مقام پر بھی نہیں پہنچ سکتے۔ لیکن اللہ چونکہ کسی کے اعمال ضائع نہیں کرتا اس لئے اُن کے ورد و وظائف اور ذکر اذکار اللہ کے حضور میں ضرور پہنچ جاتے ہیں۔"

"اور انسان اُسی مقام پر رہ جاتے ہیں..... اپنے اصلی اور سفلی مقام پر؟"

"اب آپ خود ہی دیکھ لیجئے" سعید جونیئر نے مسکرا کر کہا "میرا منہ تو نہیں لیکن آپ اُسی جگہ پر بیٹھے ہیں لیکن آپ کا ذکر اُوپر پہنچ گیا ہے۔"

"اور میں یہیں بیٹھا رہوں گا، ساری عمر؟" سعید نے غصے سے پوچھا۔

"جب تک آپ کے اعمال درست نہیں ہوں گے اور آپ کی نیت ٹھیک نہیں ہو گی آپ کولہو کے بیل بنے رہیں گے۔"

"تم اپنی یہ فلسفے بازیاں اور روح نوازیاں رہنے دو۔" سعید نے تلخ لہجے میں کہا اور سعید جونیئر کی طرف اُنگلی اُٹھا کر بولا "تم مجھے انعامی بانڈوں کے نمبر لا کر دے سکتے ہو یا نہیں؟"

سعید جونیئر نے کہا "یہ کیسے ہو سکتا ہے سعید بھائی! آپ چھوٹے سے فائدے کے لئے اُس انعام کو کیوں رد کر رہے ہیں جو آپ پر ہونے والا ہے۔"

"مجھے ہونے والے انعام کی کوئی ضرورت نہیں۔" سعید نے گرج کر کہا "مجھے صرف اپنے چھوٹے سے فائدے سے غرض ہے۔ میں نے آج تک اُس کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے اور آئندہ بھی اُس فائدے کے لئے یہ سب کچھ کرنے کو تیار ہوں — زندگی بھر، تمام عمر، اپنی موت کے دن تک۔"

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں سعید بھائی" سعید جونیئر نے بسورتے ہوئے کہا "اپنے حلقے میں میری بڑی عزت ہے۔ میں اپنے ہم چشموں کے سامنے کیا منہ لے کر جاؤں گا اور اُنہیں کس طرح سمجھاؤں گا کہ سعید بھائی کا یہ مطلب نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں — وہ اپنا رُخ بدلنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں اور جلد ہی ہم لوگوں کے درمیان آنے جانے لگیں گے۔"

لیکن سعید نے اُس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا "تم میری بات ماننے پر تیار ہو کہ نہیں؟"

سعید جونیئر چپ رہا۔

کمرے میں لمحہ بھر کے لئے خاموشی رہی..... پھر سعید اپنی جگہ سے اُٹھا اور میز کے سامنے سعید جونیئر کے وجود پر جھک کر بولا "تم مجھے اچھی طرح سے جانتے ہو جونیئر کہ تم میرے ہی وجود کی تقلیل اور میری ہی رُوح کی تخفیف ہو۔ اگر تم نے میری حکم عدولی کی اور میری خواہش پوری کرنے سے انکار کیا تو میں تم کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تمہیں تڑپا تڑپا کر اور ترسا ترسا کر ختم کر دوں گا — بولو تمہارا کیا فیصلہ ہے؟"

سعید جونیئر نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا "میں مجبور ہوں سعید بھائی، میں ایسا کر ہی نہیں سکتا۔ میری ساخت آپ سے مختلف ہے گو میں ظاہرا آپ کی فوٹو کاپی، آپ کا مثنیٰ دکھائی دیتا ہوں۔"

سعید نے اپنے اکڑے ہوئے بازو اور تنی ہوئی اُنگلی سے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے زور سے کہا "آؤٹ ! آؤٹ یو راسکل — سلی فول — ایڈیئٹ۔ دفع ہو جاؤ ابھی، اسی وقت..... نہیں تو میں تمہیں فنا کر دوں گا۔"

سعید جونیئر بڑی آہستگی اور شرافت کے ساتھ میز سے اُترا اور آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

اگلے روز سعید نے شہر کے تینوں بڑے اخباروں میں دو انچ ایک کالم کے اشتہار شائع کروائے کہ "میں نے بوجہ نافرمانی سعید جونیئر کو اپنے گھر سے نکال دیا ہے اور اُسے اپنی جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ سے عاق کر دیا ہے۔ اب اُس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ جو کوئی بھی اُس کے ساتھ کسی قسم کا لین دین کرے گا، وہ اپنے نفع و نقصان کا خود ذمہ دار ہو گا۔"

اشتہار چھپ جانے کے بعد سعید نے اطمینان کا سانس لیا کہ اب وہ سعید جونیئر کے دائرہ اثر سے آزاد ہو گیا ہے اور اُسے اس بات کا خوف نہیں رہا کہ وہ جی بھر کے دنیا نہیں کما سکے گا۔ پھر اس نے اطمینان کی ایک انگڑائی لے کر کہا "دنیا کمانے کا تو ہمیں کھلا حکم ہے..... پوری چھٹی ہے..... مکمل آزادی ہے۔ یہ احمق تو مجھے اس راہ پر چلنے کا کہا تھا جو ہم لوگوں کے لیے مخصوص ہی نہیں۔" پھر اس نے سر جھٹک کر کہا "کس قدر اوپر رہتا ہے پھر بھی دنیا کو کھیل تماشا اور متاع غرور سمجھتا ہے۔ کس قدر ذہنیت ہے!"